سید یونس الحسنی

کوّے کی چونچ میں انارکلی

اب کھلے دل سے اعتراف کیا جانا چاہیے کہ مادیت پرست فلسفۂ حیات اور طرز سیاست نے ہمیں کہیں کا نہیں چھوڑا۔ انتہائی بے ثمر اشجار کو ہم نے اپنی خوش کن توقعات کا مرکز بنا رکھا ہے۔ دیو استبداد کی نیلم پری کے فرزندان نا ہنجار انسانی گنتی کا راستہ چھوڑنے کو تیار نہیں۔ ''کھلنڈروں'' نے امت مرحومہ کے تمام خواب کھنڈر کر دیئے ہیں۔ ہماری ''عملیت پسندی'' کا انداز ملاحظہ فرمایئے کہ اپنی گلیوں کے تمام پیڑ اپنے ہاتھوں بے برگ و بار کرتے اور روشنی قائم رکھنے کی تگ و تاز میں مصروف گرد آلود چہروں کو دھڑلے سے نامعتبر ٹھہراتے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حریفوں کی غارت گری ،رقیبوں کی ''چارہ گری'' بہت سے رفیقوں کی خودسری کا عمل دخل تو ہے لیکن اس حقیقت سے بھی کسی کو مجال انکار نہیں کہ ''صرصر'' کی برتری کا یہ روز بد خود ہمارے سیاسی و عسکری رہنمایانِ بے مرام نے دکھایا ہے۔ نتیجۃً کئی ناگفتنیاں' گفتنیاں ہو گئیں ،کم ظرفی کی انتہا کہیے یا کچھ اور کیمپ ڈیوڈ کی سحر آگیں فضا نے انہیں نظام فطرت سے بغاوت پر اکسایا تو وہ دین اسلام کی من چاہی تعبیر کرنے لگے، اس کی ''خودتراشیدہ'' اقسام گنوانے لگے۔ جدید ائمہ کفر سے ان کی مرعوبیت عجب گل کھلا رہی ہے، اپنی زبان بولنے لکھنے پڑھنے ،قومی لباس پہننے اور ملّی اقدار کی پاسداری کرنے سے وہ بے طرح گریزپا ہیں۔ چست پتلون اور نیکر ایسے بے ستر و حجاب ملبوس کا دفاع اُن کا شعار بن گیا ہے، جہاد اب انہیں بھی دہشت گردی لگ رہا ہے۔ دورہ ٔامریکہ سے عقل و خرد کے باب میں یکا یک وہ اس قدر قلاش ہو گئے ہیں کہ نور و ظلمت کی تمیز ہی چھن گئی ہے۔ دینی طبقے اُنہیں جنگلی جنونی اور جانے کیا کیا لگ رہے ہیں۔ شاید ان کا آئینہ دھند لا گیا ہے۔ ایک زمانے میں ایوب خاں کو ''ڈارلنگ'' کہا گیا پھر یحییٰ خاں کو ''سویٹ ہارٹ'' کہہ کر مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنوا دیا گیا۔ آگے چل کر مسٹر بھٹو کو ''جانِ جان'' بنا کر تختۂ دار پر کھنچوا دیا گیا۔ بعد ازاں جنرل ضیاء الحق کو ''جانِ جہاں'' کا روپ دے کر سویت روس کا دھڑن تختہ کرایا گیا اور کام نکل جانے پر اُنہیں ٹیم سمیت اڑا دیا گیا۔ اب جنرل پرویز کی باری ہے۔ مسٹر بش نے انہیں بہت سے اچھے اچھے نام دیئے ہیں مثلاً:

☆ صدر پرویز ایک ''جرأت مند'' رہنما ہیں۔

☆ امریکہ کے ''عظیم دوست'' ہیں۔

☆ دہشت گردی کے خلاف ہمارے ''بہترین پارٹنر'' ہیں۔

☆ ان کا کردار ''مثالی'' ہے۔

☆ان کے ''تصورات مثالی'' ہیں۔

مسٹر جان واکر بش بھی ''عجیب الخلقت'' افکار ونظریات کے حامل ہیں، ان کی سوچ نہایت پراسرار ہے جس کے بل بوتے پر وہ بہت سارے الفاظ کو نئے نئے معانی پہنا کر قصۂ دلِ ناصبور زباں پر لا رہے ہیں۔نکتۂ اوّل ہی دیکھ لیجئے۔ایک کڑوی کسیلی اور نوکیلی بات کس انداز سے کہہ گئے ہیں۔معلوم ہوا آج کے دور میں جو کسی کی گیدڑ بھبھکی سے تھر تھر کانپے،اس کا ''سب کچھ ڈھیلا'' ہو جائے حتیٰ کہ ایمانیات میں دراڑیں آنے لگیں اور وہ مضطرب نہ ہو، چپ چاپ ''عامل'' کے ساتھ ''معمول'' کا کھیل کھیلتا جائے، ''خود سپردگی' وطن سپردگی'' کا روپ دھار لے' پھر بھی وہ ہمہ تن مطمئن ہو کر ''مرئی ''اور ''غیر مرئی'' معاونین کے کندھوں پر بیٹھ کر مقتدر بنا رہے،اس کی ''جرأت مندی'' گویا ہر تشکیک سے بالا ہے۔

نکتہ ثانی غور طلب ہے۔امریکہ کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے کہ وہ کسی ملک سے کبھی دوستی نہیں کرتا،عوام کو درخور اعتنا نہیں سمجھتا،اس کی مفاداتی محبتوں کا محور شخصیات ہوتی ہیں۔جیسے پاکستان کا بچہ بچہ امریکی و برطانوی سامراج کا دشمن ہے لیکن صدر، وزیراعظم، کابینہ کے مخصوص افراد اور کچھ چنیدہ جرنیل مع کمانڈر انچیف ہر دو ممالک کے سب سے زیادہ پسندیدہ حضرات ہوتے ہیں۔ستم تو یہ ہے کہ جن شخصیات کے نام امریکی محبت کا ڈرامہ لکھا جاتا ہے ان کا انجام بڑا المناک ہوتا ہے۔کوئی امریکہ کا جتنا عظیم دوست ہوگا، اُسے اتنے ہی عظیم المیے سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہنا ہوگا کہ یہی مسٹر بش اور اس کے بڑوں کی منطق رہی ہے اور وہ اسی فلسفے پر عمل پیرا رہے ہیں۔مسٹر پرویز ہوشیار رہیں۔

نکتہ ثالث جزوی طور پر درست ہے۔جنرل پرویز ''دہشت گردی'' کے خلاف نہیں بلکہ اپنے ہمسائے میں ''امارت اسلامی'' کے قیام سے نفرت کے باعث مسٹر بش کے ''پارٹنر'' بنے۔ان کا لبرل وسیکولر دل ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ ''ملّا یانِ مکتبی'' حضور سرور کائنات ﷺ کے دین اسلام کو جزئیات تک ہو بہو نافذ کر کے اسلام ہی کے نام پر وجود پزیر ہونے والی سیکولر ریاست پاکستان میں یہ انقلاب انگیز روشنی برآمد کر سکیں۔تھوڑے بہت اثرات جو یہاں پہنچ چکے تھے ہماری مخصوص سیاسی ٹولیاں اور مخصوص جرنیل کریسی اُسے اپنے لگے بندھے مقاصد کے لیے شدید خطرہ تصور کرتی اور تحریک طالبان کو دشمن سمجھتی تھی۔چنانچہ ''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے'' کے راندۂ درگاہ فلسفے پر عمل پیرا ہو کر صدر پرویز نے امریکہ کی پارٹنرشپ اختیار کی، یوں بھی کولن پاول سے ملاقات کے نتیجے میں ہمارے ''رہنما'' کا دل ''پیسج'' گیا اور طالبان کی ''ظالمانہ'' پالیسیوں نے ان پر ''گریہ وزاری'' کی کیفیت طاری کر دی تھی۔پھر وہ کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔اس لیے وہ یقیناً امریکہ کے ''بہترین پارٹنر'' تھے، ہیں اور شاید آئندہ بھی رہیں گے خواہ چین سے دوستی اور پاکستان کا وجود قائم رہے نہ رہے (خاکم بدہن)

نکتہ رابع خاصا معنی خیز ہے۔مسٹر بش کے نزدیک وہ شخص ''مثالی کردار'' کا مالک ہے جو جس کشتی میں سوار ہو

اُسی میں چھید کر ڈالے۔ ہزاروں افغانوں کو کفر کے ہم قدم ہو کر تہ تیغ کرے' عراق برباد اور عراقی جاں بہ لب ہوں وہ منقار زیر پر رہے۔ امت مسلمہ کے عدوئے ازلی اسرائیل کو سند جواز فراہم کرنے کی فکر کرے، بیت المقدس کی بے حرمتی پر چپ سادھ لے، کشمیر کی تحریکِ حریت کو روکے، تقسیم کشمیر پر راضی ہو جائے، اپنے ملک میں دینی طبقات کی تذلیل کرے، دجال قادیاں کی امت کو تحفظ دے، اپنے ملک کی بجائے امریکی سلامتی و استحکام کے لیے کام کرے اور تین ارب ڈالر کے مشروط پیکج پر بغلیں بجاتا پھرے۔ ایسے شخص کے لیے صدر امریکہ کو یہی کہنا چاہیے تھا کہ ''ان کا کردار مثالی ہے''۔

نکتہ آخر واقعۃً تصوراتی ہے۔ جو شخص مسلمان ہونے کا مدعی ہو مگر آئیڈیل ایک فری میسنری آدمی مصطفیٰ کمال کو بنائے۔ دین رسول ﷺ کو قدامت و رجعت کی گالی بکے اور پروگریسو اسلام کی اصطلاح ایجاد کرے، خود فروشی، قوم فروشی اور وطن فروشی کو ترقی کی معراج سمجھے، شریعت کے نام سے بُری طرح بدکے، علماء پر گرجے، برسے، بلکہ گند اگلے، عوام کی ایک نہ سنے، من موجیاں کرتا پھرے، ایٹمی پروگرام خفیہ طور پر منجمد کر دے، جہاں چڑیا پر نہ مار سکے وہاں مشکوک لوگوں کو گھسیڑے، دشمن دین وملت قادیانیوں کے جنازے پڑھے، اُنہیں کلیدی اور حساس عہدوں پر متمکن کرے، اپنی تہذیب سے دست بردار ہو کر تمدن مغرب کو ترقی یافتہ قرار دے اور اسے اپنانے کی دعوت دے۔ اس کے تصورات بقول بش ''مثالی'' ہی ہیں۔ اب تو دینی مدارس کے نصاب میں بھی سیکولرازم کا چٹخارہ شامل کرنے کی نامشکور سعی کی جارہی ہے۔ یہ عمل بھی اپنی مثال آپ کے مترادف ہوگا۔

مسٹر بش کے ان ریمارکس پر تبصرہ کرتے ہوئے عالمی میڈیا نے بھی کمال ہی کر دیا۔ بی بی سی، اے ایف پی اور وی او جی کے مبصرین نے بالاتفاق ایک ہی بات کہی اور بار بار کہی کہ ''جنرل پرویز کے دورۂ امریکہ و یورپ کے اختتام پر جنرل مذکور کو تو دس کے دس نمبر ملے، جبکہ ان کے ملک پاکستان کو صرف چار نمبر ملے''۔ قارئین اسی سے اندازہ کر لیں کہ دورے کی کامیابی کا تناسب کیا رہا ہے۔ مگر جنرل پرویز کو اس سے کیا فرق پڑتا ہے وہ تو اینٹھتے پھرتے ہیں کہ ''میرا دورہ انتہائی کامیاب رہا' ہمیں تاریخی کامیابی ملی حتیٰ کہ میں خالی ہاتھ نہیں بلکہ تین ارب ڈالر کا امدادی وعدہ بھی لے کے آیا ہوں، مجھ سے پہلے کسی کو یہ کامرانی نہیں ملی''۔ راقم کا خیال ہے یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں، نمبر صرف جنرل صاحب کو ملے، کامیابی بھی انہی کو میسر آئی، قوم تو جہاں تھی وہیں ہے۔ جنرل صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں دیکھو میں کیسا لگتا ہوں، کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے۔ ایک ضرب المثل یاد آ گئی جو جنرل پرویز کی اس خود پرستانہ کیفیت پر پوری طرح فِٹ بیٹھتی ہے۔

''کوے کی چونچ میں انار کلی
کوا ڈولے گلی گلی''

یعنی: کوے کو انار کلی سے تو کچھ سروکار نہیں وہ تو صرف یہ دکھاتا پھرتا ہے میں کیسا لگتا ہوں۔